Majallah-e-Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 30, Sr.No.76, 2009, pp 5 - 30

مجلّہ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۰، جولائی۔ستمبر ۲۰۰۹ء، شمارہ ۷۶

مولانا ظفر علی خان......خانگی زندگی کا نقش

ڈاکٹر زاہد منیر عامر☆

Abstract:

Maulana Zafar Ali Khan was a famus poet of Urdu. His poetry created ripples among the Muslims of the sub-continent, and helped them think to resist for their right of independence. He was an unforgettable character of our independence movement. Maulana led a very active life and traveled far and wide for the national cause of the Muslims. During his itineraries, he wrote letters to his friends and especially to his loving wife. Through these letters, we come to know of his household life. This aspect of his life was remained unknown till now. This paper is an effort to explore this unknown aspect of Maulan's personal life.

قومی زندگی کے نامور کرداروں کے طور پر ہم جن شخصیتوں سے واقف ہوتے ہیں عام طور سے ان کی زندگی کا ایک ہی رخ ہمارے سامنے رہتا ہے۔عوامی اور عمومی زندگی سے ہٹ کر وہ کیسے تھے اور روز مرہ زندگی کے مسائل و معاملات ان پر کیسے اثر انداز ہوا کرتے تھے

☆ وزیٹنگ پروفیسر مسندِ اردو و مطالعہ پاکستان، جامعہ الازہر، قاہرہ۔مصر

اور وہ ان میں سے کیسے اپنا راستہ نکالتے تھے، یہ سب کچھ عام طور پر پردۂ خفا ہی میں رہتا ہے۔ یوں بھی عام بین نگاہیں شخصیت کے پس پردہ تشکیلی عوامل کی جستجو کم ہی کیا کرتی ہیں۔ مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء۔۱۹۵۶ء) ہماری ماضی قریب کی قومی زندگی کا ایک ناقابل فراموش کردار ہیں۔ آئندہ صفحات میں پیش کیے جانے والے غیر مطبوعہ خطوط مولانا ظفر علی خان کی ازدواجی زندگی کا ایک نقش ہیں۔ یہ خطوط جن کا دائرہ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۳۸ء تک کے زمانے کو محیط ہے مولانا کی زندگی کے اس پہلو کو پہلی بار روشن کر رہے ہیں۔ یہ ایک محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے شوہر کے خطوط ہیں جو وہ اندرون و بیرون ملک کے مختلف مقامات سے اپنی اہلیہ کو لکھتے رہے ہیں۔ ان خطوط سے اپنی اہلیہ کے ساتھ ان کے غیر معمولی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے کہ دیارِ غیر میں انھیں اپنی اہلیہ کی یاد آتی ہے اور اس عالم میں وہ اس کے خطوں کے تمنائی ہیں، اس کے لیے میوے، مٹھائی اور تحائف خرید رہے ہیں، اسے رقوم بھجوا رہے ہیں، اس کے لیے سونے کی چوڑیاں بنوانا چاہتے ہیں، اپنے پروگراموں سے مطلع کر رہے ہیں، گھریلو امور و معاملات میں ہدایات دے رہے ہیں، اس کے لیے ایک اچھے سے گھر کی تدبیر کر رہے ہیں، جو شہر سے کسی قدر دور ہو، جہاں گرد و غبار نہ ہو، آب و ہوا اچھی ہو، جس کے ساتھ باغ بھی ہو اور اس میں عمدہ فرنیچر ہو، وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بیگم اپنے بیٹے اور دیور کے ساتھ جا کر ایسی رہائش گاہ تلاش کر لے اور وہ واپس آئیں تو اپنے خوابوں کی اس جنت میں اتریں۔

انھیں اپنی اہلیہ کے خط کا کس قدر اشتیاق ہے، اس کا اندازہ ۱۵ ؍مئی ۱۹۱۳ء کے مکتوب کی ان سطور سے لگایا جا سکتا ہے:

> ''شکر ہے کہ تم کو بھی میرے نام خط لکھنے کی توفیق ہوئی۔ اختر کا خط جو پچھلے ہفتہ کھولا تو ایک کاغذ نظر پڑا جس پر چند مکوڑے چلتے ہوئے نظر آئے۔ غور سے دیکھا تو تمہارے پیارے ہاتھوں کے چند دل فریب نشان تھے جن کے چوم لینے کی ابھی تک اپنے دل میں جگہ پاتا ہوں۔(۱) (خط نمبر ۵)

انھیں بیوی کی ناسازی مزاج دور دیس میں بے تاب و بے چین کر دیتی ہے ، وہ متواتر خط لکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بیوی بھی انھیں طول طویل خط لکھے ان کے نزدیک باہمی محبت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنے احوال سے مطلع رکھا جائے اور اپنی زندگی و معمولات کی تفصیل ایک دوسرے سے شیئر کی جائے ۔ ان کی بیوی زیادہ پڑھی لکھی خاتون نہیں ہیں، اگر خط لکھتی بھی ہے تو مختصر اور بدخط اور ان چند سطری ناموں میں بھی شوہر کی وارفتگی کا جواب محبت سے نہیں بلکہ شکایت سے دیتی ہے، لیکن بیوی سے محبت کرنے والے شوہر کے دورافتادہ دل کو ان شکایت بھرے الفاظ سے بھی بوئے محبت آتی ہے اور وہ ان کے لیے بھی اظہار ممنویت کرتا ہے، کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب اس کے دل میں بیوی کی محبت کے جذبات نہ لہلہاتے ہوں اور وہ اس کی صورت دیکھنے کے لیے بے تاب نہ ہوتا ہو، وہ ان کے خطوں کے جواب بھی باقاعدگی سے نہیں دے پاتی، لیکن وہ پھر بھی انھیں اپنے علمی منصوبوں سے آگاہ کرتے ہیں مالی امور میں شریک رکھتے ہیں ، لین دین کے حسابات اس پر روشن کرتے ہیں ، ان کے پاس سفر میں کتنے پیسے ہیں وہ کتنے پیسے لے کر چلے تھے ، اب ان کی مالی کیفیت کیا ہے ان تمام تفصیلات سے انھیں آگاہ کرتے ہیں۔

ان کی زندگی حوادث اور طوفانوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ ہے، اخبار کی ضمانتوں کی ضبطی، اخبار کی بندش، مطبع کی ضبطی، حکومت کی تہدیدی چٹھیاں، عدالتوں کے سمن، اسفار کاروبار، ملازمت غرض ان کے مشاغل اور مصروفیات گوناگوں ہیں انھی حالات میں وہ جب بھی اپنی اہلیہ سے جدا ہوتے ہیں تو اسے محبت بھرے خطوط کے ذریعے سے یاد رکھتے ہیں ،کبھی اس کے لیے چائے کا چاندی کا سیٹ خریدتے ہیں ،جس کی بابت انھیں یقین ہے کہ بیوی اسے دیکھ کر خوش ہوجائے گی، اور کبھی اس کے لیے خوب صورت اور کشادہ گھر کی صورت گری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

خطوط ظاہر ہے جدائی کے عالم میں لکھے جاتے ہیں اور ظفر علی خان کی یہ جدائی ان

کے اسفار کے باعث ہے۔ یہ خطوط کراچی، دہلی، بربرہ (سومالی لینڈ) بمبئی، لندن اور سفر لندن کے دوران جہاز سے لکھے گئے ہیں۔ یہ خطوط ۱۹۰۲ء سے شروع ہوتے ہیں۔۱۹۰۲ء میں ظفر علی خان کی ازدواجی زندگی نو برس کے شب و روز دیکھ چکی تھی اور ۱۹۱۴ء تک اس میں مزید بارہ برسوں کا اضافہ ہو چکا تھا، آخری دستیاب خط بمبئی سے لکھا گیا جو غالباً ۱۹۳۸ء کا ہے۔ ظفر علی خان نے خود کو ایک خط کے آخر میں بندۂ محبت لکھا ہے اور ایک خط میں اپنی نسبت یہ شعر ارقام کیا ہے:

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
ان کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے(۲)

اکیس برس کی ازدواجی زندگی گزارنے کے باوجود بیوی کے لیے ایسے جذبات محبت کا اظہار انھیں واقعی بندۂ محبت ثابت کرتا ہے۔

ان خطوط سے ظفر علی خان کے جذبات کا اظہار نثر میں ہو رہا ہے، وہ ایک بے مثال بدیہہ گو اور کلاسیکل ادب سے پر نظر رکھنے والے شاعر ہیں تو قع کی جا سکتی تھی کہ وہ ان خطوط میں اشعار کا استعمال ظاہر کرتے لیکن حیران کن حد تک یہ خطوط اشعار سے معرّیٰ ہیں۔ ہم نے اس خیال سے ان کے شعری مجموعوں کی سیر کی کہ بیوی سے جدائی کے زمانے میں کہی گئی منظومات میں، ان کے ان دنوں کے جذبات کا نقش تلاش کیا جائے تو ان کی نظم ''غریب الوطن شاعر کا خطاب اپنی بیوی سے جو وطن میں ہے'' (۳) نگاہیں میں ٹھہر گئیں۔ آپ بھی دیکھیں:

غریب الوطن شاعر کا خطاب اپنی بیوی سے جو وطن میں ہے:

بزمِ دل میں جس کے روشن شمعِ یادِ یار ہو
ہے اُسے سب ایک ویرانہ ہو یا گلزار ہو
کس لقب سے یاد تجھ کو اے مری بی بی کروں
مونس و ہمدم کہوں دلبر کہوں جاناں کہوں

تیری عصمت کی قسم تیری محبت کی قسم
لوحِ دل پر ہے ترے احساں کا نقشہ مرتسم
غم کدہ میرا ترے ہونے سے عشرت خانہ ہے
تیری پیاری پیاری صورت زینت کاشانہ ہے
تو چراغ منزل امید ہے میرے لیے
تو خدائے پاک کی تائید ہے میرے لیے
دیکھ کر دل میں تری تصویر روح آسا کو میں
بھول جاتا ہوں غم دنیا و مافیہا کو میں
ہے جھلک تیرے رُخِ انور کی اس میں جلوہ گر
جو دل آرا ہے ترا اور ہے مرا لخت جگر
اس کی آنکھوں میں چمکتی ہے وہ نورانی کرن
تیری چشم نرگسیں جس کا ہوا پہلا وطن
یہ کرن ان بادلوں کو بھی ہے چمکائے ہوئے
میری پیشانی پہ ہیں جو آج کل چھائے ہوئے
ولولہ اُلفت کا جب ہوتا ہے دل میں جوش زن
آدمی کے لب پہ آ جاتا ہے نامِ عقل و زن
جس طرح اپریل کی گرمی میں مرجھاتے ہیں پھول
گرتے ہی شبنم کے لیکن تازہ ہوجاتے ہیں پھول
ویسے ہی وہ دل کیا غم نے جسے تاراج ہو
صبر کا، تسکین کا، امید کا، محتاج ہے
رحمت اس کی روح پر جس کا ہے یہ قولِ مبیں

ہے صدائے باز گشت آوازِ ارواح بریں
ہے ندا جن کی جواب ان خاکیوں کی بات کا
جن سے تھا اُن کو تعلق اس جگہ دن رات کا
اے مری پیاری ! گراں ہے تجھ پہ گریہ خاک واں
اور ہے تجھ کو تمنائے حیاتِ جاوداں
اس سے پہلے جب کہ میرا طائر روحِ حزیں
اس قفس کو چھوڑ کر تجھ سے ملے آ کر وہیں
میں یہی الفاظ دہراتا رہوں گا بار بار
جانِ من جانانِ من سو دل سے ہوں تجھ پر نثار
تاکہ اوپر سے اٹھا دے تو نقابِ راز کو
اور تسکیں پاؤں میں سن کر تری آواز کو

اس مرحلے پر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مولانا ظفر علی خان کی ازدواجی زندگی کسی رومانی تعلق کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ یہ ایک خالص روایتی Arranged Marriage تھی ، بلکہ روایتی سے بھی کچھ بڑھ کر اس لیے کہ ان کی شادی بقولِ خود ''بارہ برس کی عمر میں ہوگئی تھی۔ جب بیوی گھر میں آئی تو میں ایک مدت تک یہی سمجھتا رہا کہ یہ کوئی مہمان لڑکی آئی ہے۔'' (۴)

خاندانی روایت کے مطابق جب ظفر علی خان نے لوئر مڈل کا امتحان دیا تو اسی اثنا میں شادی کا واقعہ پیش آ گیا،اس وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ظفر علی خان کے دادا جب سیالکوٹ میں مقیم تھے تو ان کی اپنے پڑوسی سے دوستی ہوگئی اور وہ اس کی بیٹی کو اپنی بچیوں کی طرح چاہنے لگے اور کسی جذباتی لمحے میں یہ کہہ دیا کہ میرا پوتا ہوگا تو اسے بہو بناؤں گا۔جب ظفر علی خان کی عمر دس برس ہوئی تو اس بچی کے والد یعنی مولوی کرم الٰہی کے پڑوسی دوست، نے مولوی صاحب کو یہ بات یاد کروائی ، مولوی کرم الٰہی نے اپنے سعادت مند بیٹے مولوی سراج الدین احمد سے یہ بات

کی۔ پہلے پہل مولوی سراج الدین نے اس تجویز کی مخالفت کی لیکن پھر باپ کا احترام فیصلہ کن ثابت ہوا تاہم مولوی سراج الدین احمد نے یہ دو شرائط رکھیں: (الف) بچے کے سامنے اس رشتے کا ذکر نہ کیا جائے (ب) شادی کے بعد ظفر علی خان کو میرے بہنوئی (فاطمہ بیگم کے شوہر راجہ عبداللہ خان جو مہندر کالج پٹیالہ میں پروفیسر تھے) کے پاس بھیج دیا جائے۔

ان شرائط پر شادی ہوگئی لیکن درحقیقت مولوی سراج الدین احمد اس شادی کے حق میں نہیں تھے، وجوہ بہت واضح تھیں، بچی کی عمر اٹھارہ برس تھی جب کہ ظفر علی خان اپنے مضمون کے مطابق بارہ برس اور خاندانی روایت کے مطابق دس برس کے تھے۔ ابھی ان کی تعلیم بالکل ابتدائی مرحلے میں تھی اور اس کم سنی میں ان پر شادی کی ذمہ داریوں کا بار ڈالنے کا نتیجہ ان کے تعلیمی مستقبل کی تاریکی کی صورت میں نکل سکتا تھا، پھر بچی معمولی پڑھی لکھی تھی، اس کے والد عمر دین لکڑی کے ٹھیکے دار تھے اس لیے ان کے گھر کا ماحول تعلیمی نہیں رہا ہوگا۔ مولوی سراج الدین احمد ہماری مشرقی روایات کے مطابق ان تمام تر تحفظات کے باوصف اپنے والد کے حکم سے سرتابی نہ کر سکے اگرچہ انھوں نے بعد ازاں اپنی ڈائری میں لکھا: ''میں نے اپنے باپ کی فرماں برداری میں یہ ایک قربانی دی ہے۔'' (۵) یہ ایک ایسی شادی تھی جسے دولھا سے مخفی رکھ کر انجام دیا گیا تھا، خاندانی روایات یہ بھی ہے کہ کم سن پوتے نے گھر میں شادی کی تیاریاں ہوتے دیکھیں تو دادا سے فرمائش کی کہ مجھے بھی شادی میں ہمراہ لے چلیں چنانچہ انھیں ساتھ لے جایا گیا لیکن لڑکے کی طرف سے ایجاب وقبول لڑکے کے وکیل بن کر بزرگوں نے کرلیا، لڑکی ماں باپ کے گھر سے رخصت ہوکر سسرال آ گئی لیکن ساتھ ہی دولھا کو پٹیالہ بھجوا دیا گیا۔ مولوی سراج الدین احمد کا خیال تھا کہ لڑکے کو بی۔اے سے پہلے شادی کا علم نہیں ہونا چاہیے، جب وہ گھر پر ہی نہیں رہے گا تو تعلقات زناشوئی کیوں کر رکھ سکے گا، چنانچہ شادی کے ساتھ ہی ظفر علی خان کو پٹیالہ بھیج دیا گیا جہاں سے انھوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد علی گڑھ چلے گئے۔ دوران تعلیم وہ جب کبھی گھر آتے اور ایک نئے فرد کو گھر میں موجود پاتے تو اس پر

تعجب ظاہر کیا کرتے ۔ والدہ کی طرف سے یہ جواب ملتا کہ میں نے اپنی تنہائی کی وجہ سے اپنی سہیلی کی بیٹی کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔۱۸۹۳ء میں جب ظفر علی خان بی۔اے کے سال اول کا امتحان دے کر گھر آئے تو ان پر اپنے شادی شدہ ہونے کا راز منکشف ہوا(۶) چنانچہ بی۔اے کی ڈگری تو انھیں ۱۸۹۵ء میں ملی لیکن چھ دسمبر۱۸۹۴ء کو جب انھیں بی اے سال دوم میں کامیابی کی اطلاع ملی تو اسی روز وہ ایک فرزند کے والد بن چکے تھے جس کا نام اختر علی خان رکھا گیا۔

آج کے معاشرتی منظرنامے میں یہ سب کچھ بہت عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے لیکن بچوں کی شادی کے حوالے سے ہمارے پرانے بزرگوں کی روش اور زاویہ ہائے نظر کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سب کچھ ناممکن نہیں۔

جس لڑکی سے مولانا کی شادی کی گئی اس کا نام حاکم بی بی تھا، یہ لڑکی اپنے دادا سسر یعنی مولوی کرم الٰہی خان کی چہیتی تھی ، شاید انھیں یہ نام پسند نہیں آیا ہوگا چنانچہ انھوں نے اپنی اس لاڈلی بہو کا نام بدل کر برکت بیگم رکھ دیا،ممکن ہے حاکم نام سے انھیں اپنے پوتے کے محکوم ہوجانے کا اندیشہ لاحق ہوگیا ہو،چنانچہ انھوں نے بہو کی آمد کو باعثِ برکت سمجھتے ہوئے اس کا نام ہی برکت بیگم رکھ دیا۔ آنے والے صفحات میں پیش کیے گئے غیر مطبوعہ خطوط انھی برکت بیگم کے نام ہیں اور ان خطوط کے ذریعے مولانا ظفر علی خان کی زندگی کا یہ پہلو پہلی بار منظرِ عام پر آرہا ہے۔

(ایک)

کراچی
۴ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (؟)
میری جان

میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں وقتاً فوقتاً تم کو خط لکھتا رہوں گا مگر وعدہ پورا نہ ہوا۔ اس لئے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ محفوظ علی(۷) کو البتہ میں خط لکھتا رہا ہوں اور میری

خیریت کی خبر ان کی زبانی تم کو معلوم ہوتی رہی ہوگی۔

(؟) پہنچ کر میں پیچش میں مبتلا ہوگیا اور اس لئے آٹھ دن تک مجھے وہاں رہنا پڑا، ایک جلاب بھی لیا تھا اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔

کتابیں (۸) خوب بک رہی ہیں، آج کی ڈاک میں پچاس روپے حالی، محفوظ علی کو خرچ کے لئے بھیجے ہیں اور کہہ دیا ہے کہ گھر میں خرچ کی ضرورت ہو تو دینا اور باقی جلد ساز کو دے دینا۔

یہاں سے اورنگ آباد(۹) اور اورنگ آباد سے بمبئی (۱۰) جاؤں گا۔ میرا ارادہ ہے کہ بمبئی سے تمھارے لئے سونے کی چوڑیوں کی ایک جوڑی بنواتا لاؤں۔ اسی لئے تمھیں روپیہ نہیں بھیجا۔

تمھیں اگر خط لکھنا ہو تو لکھ کر محفوظ علی کو بند کرنے کے بعد دے دو۔ انھیں میرا پتہ معلوم ہے مجھے مل جائے گا۔

میں کل اورنگ آباد جاؤں گا۔

اختر (۱۱) کا میری طرف سے منہ چومنا اور جناب والدہ صاحبہ کو دست بستہ سلام کہہ دینا۔ امید ہے کہ تم سب لوگ خیریت سے ہوگے۔

تمھارا

ظفر

یہ خط محفوظ علی کے نام کے خط میں بند کر کے بھیجتا ہوں وہ اندر پہنچا دیں گے۔

(دو)

دہلی

۷/جنوری ۱۹۰۳ء

میری جان

ایک خط تم کو کل بھیج چکا ہوں جو اس سے پہلے پہنچے گا۔ آج ایک صاحب مولوی

عبدالخالق کے ہاتھ اپنے ٹین کے صندوق میں آٹھ روپیہ کا میوہ اور مٹھائی تم لوگوں کے لئے بھیجتا ہوں ۔ کھاتے وقت مجھے بھی یاد رکھنا۔ اور چیزیں سوائے سیب اورانگور کے ایسی ہیں جو زیادہ عرصہ تک رکھے رہنے سے بگڑیں گی بھی نہیں۔

کل یہاں سے روانہ ہو کر بدایوں (۱۲) جانے کا، محفوظ علی کے ہمراہ، قصد ہے، وہاں دو تین دن رہوں گا اوراس کے بعد اندور کے رستہ سے واپس حیدرآباد آؤں گا اور پہنچ کر دربار (۱۳) کے کُل حالات تم کو سناؤں گا۔

والدہ صاحبہ سے سلام کے بعد کہہ دو کہ ان کے لئے میں نے ایک تسبیح خریدی ہے ۔جو اسی صندوق میں بند ہے اور تولیہ میں ایک کونے کی طرف لپٹی ہوئی ہے ۔ اختر کا میری طرف سے منہ چومنا اوراس سے کہنا کہ یہ مٹھائی اور میوہ میں نے اسی کی خاطر سے خرید کر بھیجا ہے۔

تمھارا

ظفر

(تین)

بمبئی ۹/اکتوبر ۱۹۰۳ء

میں نے پربھنی سے تم کو خط لکھا تھا وہاں سے اورنگ آباد گیا اور اورنگ آباد سے بمبئی آیا۔ رخصت میری ختم ہوگئی ہے اس لیے آج ایک مہینے کی رخصت کی اور درخواست بھیجی ہے۔ مبلغ دوسو روپے کے نوٹ رجسٹری کر کے محفوظ علی کے نام بھیجتا ہوں ۔محفوظ علی نے مجھ کو لکھا ہے کہ ریذیڈنس والا بنیا نوٹس دینے والا ہے کہ میرا روپیہ ادا کردو ورنہ نالش کردوں گا ۔خیر جب میں آؤں گا تو دیکھا جائے گا تم کچھ گھر کا خرچ چلاؤ اور باقی روپیہ سنبھال کر رکھو ۔ان شاء اللہ اور کتابیں بھی بکنے کی ہیں۔ میں نے اورنگ آباد سے دس روپے کا منی آرڈر غلام حیدر (۱۴) کے نام لاہور بھیج دیا ہے۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں دست بستہ آداب قبول ہو۔ اور سب خیریت ہے اختر کا میری طرف سے منہ چومنا۔

تمھارا

ظفر

(چار)

بربرہ۔ ۱۰ رمئی (۱۹۰۶ء)

جان سے پیاری برکت

اس وقت تک کہ مجھ کو تم سے بچھڑے ہوئے دو مہینے ہونے کو آتے ہیں (۱۵) تم نے اپنے ہاتھ سے مجھ کو ایک سطر بھی نہیں لکھی اختر کو میں ہر ہفتہ خط لکھتا ہوں اور ہر خط میں تمھاری خیریت اور صحت مزاج کی خبر پوچھ بھیجتا ہوں لیکن مولوی اختر صاحب ایسے حضرت ہیں کہ اول تو خط کا جواب ہی نہیں دیتے اور اگر خط لکھتے بھی ہیں تو ایسا مختصر کہ دو چار سطروں سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ اس میں بھی مطلب کی بات بہت کم ہوتی ہے تم کبھی کبھی مجھ سے کہا کرتی ہو کہ جتنی محبت مجھ کو تم سے ہے تم کو مجھ سے اوس سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ لیکن محبت کا یہ اچھا ثبوت ہے کہ اپنی صحت اور خیریت کی خبر تک اپنے ہاتھ سے نہ لکھو۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ میں تمھاری ناسازی مزاج کی وجہ سے اتنی دور بے تاب اور بے چین ہوں۔ خیر جو ہوا سو ہوا اب خدا کے واسطے ہر ہفتہ مجھے لمبا چوڑا خط لکھا کرو۔ اور اوس میں ذرا ذرا سی بات لکھ دیا کرو۔ میں خدا کے فضل سے اب بالکل اچھا ہوں تین وقت خوب پیٹ بھر کر روٹی کھاتا ہوں، دس دس بارہ بارہ میل پیدل چل لیتا ہوں۔ محفوظ میری جس قدر خاطر تواضع کرتا ہے اور جس قدر میرے ساتھ اچھی طرح سے پیش آتا ہے اوس کے شکریہ کے لیے میرے پاس کافی لفظ نہیں۔

بھائی کو بھی مجھ سے وہ محبت نہ ہوگی جو اس کو مجھ سے ہے۔ خدا کرے ہمارے اور اس کے تعلقات اسی طرح عمر بھر تک قائم رہیں بلکہ اور بھی زیادہ گہرے ہو جائیں جیسا کہ تم اکثر خواہش کیا کرتی ہو۔ جب میں بمبئی میں تھا تو محفوظ کا ایک خط جو اس نے مجھے حیدرآباد کے پتے سے لکھا تھا، حیدرآباد ہوتا ہوا مجھے بمبئی میں ملا۔ اس میں ایک حصہ مضمون تمھاری مزاج پرسی کے متعلق بھی تھا اور تمھاری صحت کی دعا مانگنے کے بعد اس میں یہ لکھا تھا کہ تمھارے واسطے

ایک سو روپیہ بھیجا جاتا ہے تاکہ گھی کھا کر اچھی طرح سے تندرست ہو جاؤ۔ یہ روپیہ چونکہ بمبئی کے ایک سوداگر کی معرفت میرے نام بھجا تھا اور میں اس خط کے ملتے ہی روانہ بربرہ ہو گیا لہٰذا روپیہ واپس آیا مگر واپسی پر پھر اختر کے نام محفوظ نے بھیج دیا ہے جو تمھارے ایک مہینے کے خرچ کو کافی ہوگا اس سے تم سمجھ سکتی ہو کہ اس کو میرا اور تمھارا کتنا خیال ہے، اوس کے یہ احسان ایسے نہیں کہ ہم اتار سکیں لیکن یہ تمام احسان ہمیں دل میں جمع کر کے رکھ لینے چاہییں۔

میں نے اپنی رخصت میں چار مہینے اور بڑھوائے ہیں جس میں سے ایک مہینہ ختم ہو گیا ہے، تین مہینے رہ گئے ہیں، جب یہ ختم ہو جائیں گے تو واپس آؤں گا۔دو سال کی رخصت جو مجھ کو پچاس روپے ماہوار کے حساب سے ملی ہے، اس سے مجھ کو ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے پچاس روپے ماہوار الاؤنس کے علاوہ رخصت کے پہلے دس مہینوں میں تین مہینے تک سو سو روپیہ اور سات مہینے تک پچاس پچاس روپے تنخواہ کے ملیں گے۔گویا دو سال میں کل ایک ہزار آٹھ سو پچاس روپے تنخواہ ملیں گے۔ جو تمھارے دو سال کے خرچ کو خواہ تم حیدرآباد میں رہو۔خواہ بدایوں میں (اس کا فیصلہ تمھاری رائے پر منحصر ہوگا) کافی ہوں گے۔ میں اپنا تعلیم کا خرچ جس طرح سے ہو سکا ادھر ادھر سے نکال لوں گا۔(۱۶)

عبدالرحیم وکیل کا ترجمہ تھوڑا سا رہ گیا ہے، کتاب ختم کر کے ان شاء اللہ اگلے ہفتے کل ترجمہ تمھارے پاس بھیج دوں گا، منشی کو ترجمہ دے کر اس سے یہ کہہ دینا کہ پہلے تین سو روپے وکیل سے رکھوا لے۔ اور بعد کو ترجمہ دے۔ اس تین سو میں سے (اگر وصول ہو جائیں) ایک سو منشی کو دے دینا، اس کا ہم پر ڈرامے کی چھپائی (۱۷) کے حساب میں شاید ڈیڑھ سو کے قریب باقی ہے۔ٹھیک رقم معلوم نہیں۔منشی کے حساب کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

مولوی عبدالغنی کو شاید پچھتر کتابیں (ڈرامے کی) بیچنے کی غرض سے دی تھیں، اگر وہ آ گئے ہوں تو منشی سے کہنا ان سے روپیہ وصول کرلائیں ۔نظیر بیگ سے کتابوں کا ایک سو ستر روپیہ وصول کرنا ہے میں نے تین خط بھیجے کہ روپیہ اختر کے نام بھیج دے لیکن نظیر بیگ نے کوئی جواب نہیں دیا اگر چھوٹی بیگم حیدرآباد میں ہوں تو ان سے مل کر کہو کہ نظیر بیگ سے روپیہ منگوادیں۔ بڑی مہربانی ہوگی اس وقت ہم کو روپیہ کی بڑی ضرورت ہے۔

میں نے عبدالحق کو آج لکھا ہے کہ ہر ہفتہ آ کر اختر کا امتحان لیا کرے اگر مناسب سمجھے تو اپنے پاس لے جا کر ملک میں رکھے تمھاری رائے میں اگر مناسب ہو اسے بھیج دو۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں دست بستہ آداب قبول ہو۔ اختر کو پیار۔اگلی ڈاک میں ایک سو روپیہ تمھارے نام نوٹ کے ذریعے سے پہونچے گا۔

تمھارا

ظفر

محفوظ علی بدایونی کا مختصر پیغام بیگم ظفر علی خان کے نام

بہن صاحبہ اور جنابہ چچی صاحبہ کو بہت بہت سلام۔اس خط میں جو کچھ ظفر نے لکھا ہے اگر چہ اس کا بہت سا حصہ اور خصوصاً وہ حصہ جو میری محبت اور اپنی آسائش کے متعلق لکھا ہے، غلط ہے۔مگر اس قدر صحیح ہے کہ خدا کے فضل سے اون کی صحت اب اچھی ہے۔ خدا کرے آپ بھی تندرست ہوں۔

آپ کا بھائی

محفوظ

(پانچ)

بربرہ
۲۹رمئی ۱۹۰۶ء
پیاری برکت

آج اختر کے خط سے حُسنا کے (۱۸) ناگہانی انتقال کی خبرسن کرنہایت رنج ہوا، بے چاری کا چھوٹے چھوٹے دودھ پیتے بچے چھوڑ کر جوان مرجانا سخت دل ہلا دینے والا واقعہ ہے ۔ غلام حیدر کو جو صدمہ پہنچا ہوگا اس کا اندازہ تم اچھی طرح سے کرسکتی ہو۔ میں نے آج اسے ماتم پرسی کے طور پر ایک خط لکھا ہے اور تشفی دلاسا دینے کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ بچوں کی خبرگیری کے لئے تمھاری بہن موجود ہے جو ماں کی طرح ان کی پرورش کرے گی۔تم خود اپنے ہاتھ سے ایک خط اسی مضمون کا اس کو لکھ دو اور بچوں کو اپنے پاس بلوا بھیجو۔اگر چہ والدہ صاحبہ وہاں موجود ہیں لیکن مناسب یہی ہے۔

خدا کی شان، اکبر جوان مرگیا اورصفو (صغریٰ؟) بیوہ رہ گئی(۱۹) اب حُسنا مرگئی اورغلام حیدراکیلا رہ گیا۔

اس میں بھی خدا کی کوئی خاص مصلحت ہوگی۔

ظفر

(چھ)

جہاز پرشیا۔۳راگست ۱۹۰۶ء
پیاری برکت

عدن سے روانہ ہونے کے دن میں نے اپنی روانگی کی اطلاع بذریعہ تار تمھیں دی تھی، امید ہے کہ یہ تار تمھیں اسی دن پہنچا ہوگا۔کل صبح کے نو بجے ہم ان شاء اللہ بمبئی پہنچ جائیں گے۔ پانچ چھ دن وہاں ٹھہرنے کا قصد ہے کیونکہ بہت سے کام کرنے ہیں، جس دن حیدرآباد روانہ ہوں گا تو تار دوں گا۔(۲۰)

چونکہ یہ زمانہ برسات کا ہے اس لیے سمندر میں طوفان ہے، جہاز ڈگیانے کی وجہ سے سر میں چکرآتے رہتے ہیں، ایک ہفتہ سے برابر طبیعت خراب ہے کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔آج

کسی قدر اچھا ہوں اور تمھیں خط لکھنے بیٹھا ہوں۔ بمبئی پہنچ کر ان شاء اللہ طبیعت درست ہو جائے گی۔ امید ہے کہ تمھارا مزاج بہ فضل خدا اچھا ہوگا۔ اختر کو پیار

تمھارا

ظفر

(سات)

The Deccan Review
A high class urdu monthly
devoted to literature

Time's Building
Hornby Road
Bombay 25th October 1906 (21)

جان سے پیاری برکت

آج ایک سو روپیہ کے پانچ بیس بیس روپیہ والے نوٹ رجسٹری کے ذریعہ سے تمھارے نام بھیجتا ہوں۔ جس دن میں چلا تھا تو ستر روپے بینک سے نکلوا کر اور پچپن روپیہ صاحب جنگ (؟) کے ہاں سے لا کر گویا کل ایک سو پچیس روپیہ حالی تمھیں میں دیتا آیا تھا۔ اس ایک (ناخوانا) روپے کے ایک سو پندرہ حالی ہوئے گویا کل دو سو چالیس روپیہ تمھارے پاس آئے۔ میں پانچ اکتوبر کو چلا تھا۔ جو بیس دن ہوتے ہیں۔ اس روپیہ میں تمھیں تین مہینے کا خرچ کم از کم چلانا چاہیے یعنی اکتوبر، نومبر اور دسمبر۔ جنوری کے مہینے میں ان شاء اللہ اور روپیہ بھیجا جائے گا۔

نواب نصر اللہ خان (۲۲) نے ابھی تک روپیہ نہیں دیا لیکن امید ہے کہ دو مہینے میں جب اس کا بھتیجا گدی پر بیٹھے گا تو دو ہزار روپیہ مجھے مل جائے گا۔

اختر کا ابھی بمبئی آنا مناسب نہیں۔ رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا ہے۔ میں، خدا نے چاہا تو عید گھر آ کر کروں گا اور اس وقت اسے اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔

بجائے نوٹوں کے منی آرڈر بھیجا جاتا ہے۔

ظفر

(آٹھ)

لنڈن

۱۴۳ کراسفیلڈ روڈ

سوئس کاٹیج

۱۵ مئی ۱۹۱۳ء (۲۳)

پیاری برکت

شکر ہے کہ تم کو بھی میرے نام خط لکھنے کی توفیق ہوئی۔ اختر کا خط جو پچھلے ہفتہ کھولا تو ایک کاغذ نظر پڑا جس پر چند مکوڑے چلتے ہوئے نظر آئے۔ غور سے دیکھا تو تمہارے پیارے ہاتھوں کے چند دل فریب نشان تھے جن کے چوم لینے کی ابھی تک اپنے دل میں جگہ پاتا ہوں ۔ اگرچہ کبھی کبھی جب آئینہ کو دیکھتا ہوں تو بالوں میں ایک آدھ جگہ سفیدی جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے اور کہتی ہے کہ عشق و محبت کے لئے جوانی چاہیے۔ بہرحال ایک مصیبت ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری منھ پھاڑے سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ ضمانت اور مطبع کی ضبطی (۲۴) کی فکر سے خدا خدا کر کے کسی قدر چھٹکارا ہوا تھا کہ پنجاب گورنمنٹ کی ایک چٹھی جس میں غصہ اور غضب کا زہر رہ رہ کر اگلا گیا ہے بلائے ناگہانی کی طرح سر پر آنازل ہوئی۔ اب یہاں اس کا توڑ کر رہا ہوں ۔ اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچنے اور اُن کے جوڑ توڑ کا جواب دینے کے لئے مجھے سال کا ایک بڑا حصہ لندن ہی میں گزارنا پڑا کرے گا۔ عجب نہیں کہ یہاں سے انگریزی اخبار نکالنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے۔(۲۵) میں یہ ارادہ کر رہا ہوں کہ گرمی کے دو تین مہینے یہاں گزار کر اکتوبر میں حج کرتا ہوا لاہور واپس ہوں۔ اس عرصہ میں وہ کالے بادل بھی جو سر پر گھرے ہوئے ہیں چھٹ جائیں گے اور مطلع صاف ہو جائے گا۔

جس مکان میں وہاں ہم رہتے ہیں وہ ہماری ضرورتوں کے لحاظ سے بہت تنگ ہے

اور ایک نہ دو اکٹھے تین کنبے اس میں آرام و آسائش کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتے ۔ میں چاہتا ہوں کہ بالا خانہ غلام حیدر اور والدہ صاحبہ کے لئے چھوڑ دیا جائے اور ہم شہر کے کسی قدر دور یعنی جہاں گرد و غبار نہ ہو اور جہاں کی آب و ہوا بھی اچھی ہو ایک کوٹھی لے کر رہیں ۔ تم اختر و غلام حیدر کے ہمراہ جا کر کوئی کوٹھی جس کے ساتھ باغ بھی ہو اور جس کا کرایہ ستر روپیہ ماہوار ہو پسند کرلو(۲۶) اور اُس میں اٹھ جاؤ ۔ کوٹھی میں سامان (از قسم فرنیچر) عمدہ قسم کا ہونا چاہیے ۔ اس کے لئے تم ایک ہزار روپیہ تک خرچ کر سکتی ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب میں آؤں تو تم اس کوٹھی کو آراستہ کر چکی ہو اور میں سیدھا اُس میں آسکوں۔ حقیقت میں یہ بات نہایت ہی تکلیف دہ اور ساتھ ہی بدزیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم موجودہ مکان میں مسافروں کی طرح سے زندگی بسر کریں۔ ایک ہی کمرہ میں کھائیں ، اُسی میں بیٹھیں ، اُسی میں سوئیں اور اُسی میں مہمانوں کے لئے گنجائش نکالیں۔ اس لئے کہ ساتھ کے دو کمرے اس قدر چھوٹے ہیں کہ اُن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

گاڑی اس وقت تک بن کر تیار ہوگئی ہوگی۔ اس کے لئے اچھی سی جوڑی تلاش کراؤ۔ قیمت اس میں شک نہیں کہ زیادہ ہوگی لیکن چیز تو اچھی مل جائے گی۔ (۲۷) میں سستی چیزوں کا قائل نہیں ۔مثل مشہور ہے ''مہنگا روئے ایک بار سستا روئے بار بار''۔

میں یہاں سے تمھارے لئے چاء کا ایک چاندی کا نہایت خوبصورت سِٹ خرید کرلاؤں گا ۔ جسے دیکھ کر تم خوش نہ ہوجاؤ تو میرا ذمہ

ظفر

(نو)

پیاری برکت

شکر ہے کہ ایک سطر مدتوں کے بعد تم نے بھی لکھی۔ اگر چہ اس ایک سطر میں چند لفظ تھے اور یہ لفظ شکایتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ لیکن ان شکایتوں سے بھی میرے دورافتادہ دل کو

بوئے محبت آتی تھی۔ اس لئے تمھارا ممنون ہوں۔ اگر ہرہفتہ الٹا سیدھا ایک خط لکھ دیا کرو تو مجھے اس پردیس میں کتنا سہارا ہوگا۔

اختر کی صحت کی طرف سے سخت پریشان ہوں ۔خدا کے لئے اس کے علاج میں کوتاہی نہ کرو جس قدر خرچ اس پر ہو، ہونے دو۔

۱۲؍دسمبر۱۹۱۳ء ظفر

(دس)

۱۴/مئی ۱۹۲۴ء

عزیز از جان

تمہارا خط ملا ۔ جملہ حالات سے آگاہی ہوئی۔ چودھری اللہ دتا(۲۸) کے فرزند کے انتقال کا بہت افسوس ہے لیکن اس دنیا میں یہ حادثے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں بھی ایک قیامت خیز حادثہ ہوگیا۔ خان صاحب عبدالغفور خان صاحب کا نوجوان فرزند ۸ مئی کودن کے ۸ بجے عین عالمِ شباب میں بعمر ۲۹ سال اپنے خاندان کو ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گیا۔

مرحوم حمید خان ایک لایق گریجویٹ، ایک کامیاب وکیل، ایک ہردلعزیز میونسپل کمشنر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک نہایت ہی خوش اخلاق اور نیک اطوار نوجوان تھا۔ اس کے مرنے کا رنج یہاں کے ہر چھوٹے بڑے کو ہے اور جو صدمہ اس کے ناشاد والد اور تفتہ جگر بی بی کو ہوا ہوگا اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ خوب کرسکتے ہیں جن پر ایسی اور اتنی بڑی مصیبت کا پہاڑ (یکا) یک ٹوٹ پڑا ہو۔

مرحوم نے دو اولادیں چھوڑیں ہیں ایک تو ساڑھے چارسال کا بچہ اور ایک تین سال کی لڑکی۔

خدا مرحوم کو اپنے جوارِ مغفرت میں جگہ دے اور اس کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل بخشے۔

مہر صاحب (۲۹) اسی لحاظ سے ایک موزوں نوٹ ''زمیندار'' کی سب سے قریبی اشاعت میں درج کردیں۔

منصور صاحب (۳۰) کی بڑی عنایت ہے کہ سیر کو جانے کے لئے میری رہائی کا انتظار فرمارہے ہیں۔

فقط

ظفر علی خان

(گیارہ)

۱۴/مئی ۱۹۲۹ء

پیاری برکت

دو ہفتے ہوئے ایک خط تمھیں لکھا تھا۔ اختر نے تمھیں دیا ہوگا۔ اب تو میں تمھاری صورت کو ترس گیا ہوں کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ تمھارا پیارا خیال نہ آتا ہو۔ میرا آنا اکتوبر تک ہوگا۔ اس لئے کہ میں اس مرتبہ حج کرنا چاہتا ہوں۔ مقامِ شرم ہے کہ دو دو بار لندن آؤں اور مکہ مدینہ نہ جاسکوں۔

میں نے تم کو لکھا تھا کہ اپنے رہنے کے لئے شہر سے کسی قدر فاصلہ پر جہاں کی آب وہوا اچھی ہو، جگہ مرطوب نہ ہو ایک کوٹھی کرایہ پر لے لو۔ میرے آتے تک اس کا تمھیں انتظام کررکھنا چاہیے۔ ہمارا موجودہ مکان حقیقت میں بہت ہی تنگ اور مختصر ہے اور ہماری ضروریات اس میں پوری نہیں ہوسکتیں۔

ظفر

(بارہ)

بمبئی

۱۸ستمبر (۱۹۳۸ء......؟) انجمن اسلامیہ بمبئی

پیاری برکت

میرے منماڑ (۳۱) (؟) سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچنے کی خبر تو تم کو اس خط سے معلوم ہو ہی چکی ہوگی جو محفوظ علی نے اختر کے نام بمبئی سے ہمارے یہاں پہنچتے ہی روانہ کیا تھا۔ یہاں آنے کے دوسرے روز مجھے بخار آیا اور ساتھ ہی سخت سر کا درد ہوا۔ میں نے فقط یہ علاج کیا کہ گرم پانی کرا کر اور اس میں نمک ڈلوا کر کئی گلاس بھر بھر کر پیے اور قے کر ڈالی۔ اس سے طبیعت ہلکی ہوگئی۔ اور دوسرے ہی دن مزاج صاف ہوگیا۔ اب بہ فضلِ خدا اچھا ہوں۔

نصراللہ خان سے ملا اور تمام کیفیت کہہ سنائی۔ باقی دوسری تجویزیں کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ سب معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔ تفصیلی حالات زبانی آ کر کہوں گا۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر واپس آؤں گا۔

اختر کو پیار

اختر کو میری طرف سے دعا۔ بہن صاحبہ کو سلام

ظفر

☆☆☆

حوالے اور حواشی

۱۔ دیکھیے مکتوب نمبر ۸ مورخہ ۱۵رمئی ۱۹۱۳ء از لندن

۲۔ مکتوب بنام مولانا عبدالباری فرنگی محل اور مکتوب بنام آغا شورش کاشمیری در مکاتیب ظفر علی خان مرتبہ زاہد منیر عامر لاہور سنی پبلی کیشنز ۱۹۸۶ء، ص ۱۷۵، ۱۵۷

۳۔ خیالستان مطبوعہ مکتبہ کاروان لاہور، س۔ن

۴۔ آپ بیتی ظفر علی خان مرتبہ محمد عبداللہ قریشی در نقوش آپ بیتی نمبر لاہور ادارۂ فروغ اُردو

۵۔ نظیر حسنین زیدی، مولانا ظفر علی خان احوال و آثار، لاہور، مجلسِ ترقی ادب ۱۹۸۶ء، ص ۳۷۔۳۹

۶۔ ریحانہ خاتون ظفر علی خان کی غیر مطبوعہ تحریریں، مقالہ برائے ایم۔فل اُردو اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۲۔۱۹۹۳ء

۷۔ ان تمام مکتوبات میں محفوظ یا محفوظ علی سے ، سید محفوظ علی بدایونی (۸رمئی ۱۸۷۰ء ۲۰راکتوبر ۱۹۴۳ء) مراد ہیں۔

۸۔ یہ خط ۱۹۰۲(؟) میں لکھا گیا اس وقت تک ظفر علی خان کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی تھیں: سیر ظلمات (۱۹۰۰ء) جنگل میں منگل (۱۹۰۱ء) اور خیابان فارس (۱۹۰۲ء) لیکن اس زمانے میں جو کتاب زیادہ فروخت ہو رہی تھی وہ کرزن کی کتاب کا ترجمہ خیابانِ فارس تھا۔

۹۔ اورنگ آباد میں ظفر علی خان کے قریبی دوست اور ہم جماعت مولوی عبدالحق

(ہاپوڑ ۱۸۷۰ء۔کراچی ۱۹۶۱ء) کا گھر تھا۔

۱۰۔ بمبئی اس زمانے کا اہم تجارتی اور تہذیبی شہر،ظفرعلی خان نے بعدازاں یہاں سے دکن ریویو بھی نکالا۔

۱۱۔ اختر علی خان(م:۱۷/۱ اکتوبر ۱۹۵۸ء)فرزند مولانا ظفر علی خان آئندہ بھی اختر سے مراد اختر علی خان ہی ہیں۔

۱۲۔ بدایوں،سید محفوظ علی بدایونی کا وطن تھا۔

۱۳۔ مراد ہے ریاست حیدرآباد دکن کے دربار کے حالات ،جہاں ظفرعلی خان سلکِ ملازمت میں منسلک تھے۔

۱۴۔ ظفرعلی خان کے چھوٹے بھائی چودھری غلام حیدر خان مرحوم

۱۵۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ظفرعلی خان مارچ ۱۹۰۶ء میں بربرہ پہنچے ہوں گے۔

۱۶۔ اس پیراگراف میں ظفرعلی خان کی رخصت اور تنخواہ سے متعلق نہایت اہم معلومات ہیں لیکن یہ واضح نہیں کہ وہ کون سی تعلیم اور اس کے اخراجات کا ذکر کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کی تعلیم تو ۱۸۹۴ء میں مکمل ہوچکی اور اس کے بعد ان کا کوئی سلسلہ تعلیم ہمارے علم میں نہیں۔

۱۷۔ مراد ہے ظفرعلی خان کی کتاب جنگ روس و جاپان جو بربرہ جانے سے قبل شائع ہو چکی تھی۔

۱۸۔ مولانا ظفرعلی خان کے چھوٹے بھائی چودھری غلام حیدر خان کی بیوی

۱۹۔ ظفرعلی خان کے سب سے چھوٹے بھائی اکبرعلی خان جن کی یاد میں انھوں نے ایک دردناک مرثیہ لکھا ر۔ک بہارستان لاہور؛ مکتبہ کاروان۔س۔ن

صفو اکبرعلی خان کی بیوی کا نام تھا۔

۲۰۔ یہ خط ۳/ اگست ۱۹۰۶ء کو جہاز پرشیا سے لکھا گیا جس کے ذریعے وہ عدن سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے اور پانچ دن یہیں ٹھہر کر حیدر آباد جانے کا ارادہ رکھتے ہیں گویا یہ ان کی بربرہ سے واپسی کا سفر ہے۔ اگر مارچ ۱۹۰۶ء میں بربرہ جانا مانا جائے تو بربرہ میں ان کا کل قیام پانچ ماہ بنتا ہے۔

۲۱۔ وہ یہیں آچکے اور بربرہ میں بنائے گئے منصوبوں پر عمل کے پہلے قدم کے طور پر بمبئی سے دکن ریویو جاری ہو چکا جس کے لیٹر پیڈ پر یہ خط لکھا گیا ہے۔

۲۲۔ معلوم نہیں یہ کون صاحب ہیں۔

۲۳۔ یہ ظفر علی خان کا پہلا سفر لندن ہے، جو زمیندار پریس کی ضبطی اور زمیندار کی بندش کے بعد، جب یہ توقع نہیں تھی کہ انھیں گرفتار کرلیا جائے گا، اختیار کیا گیا۔ اس سفر کے دوران میں انھوں نے انگریزی کتابچہ The Indian Press Act لکھا اور پریس ایکٹ کے خلاف مہم چلائی۔

۲۴۔ گویا جس مصیبت سے بچنے کے لیے انھوں نے لندن کا سفر اختیار کیا تھا اس نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔

۲۵۔ ظفر علی خان کے اس ارادے کا اظہار اس خط سے پہلی بار ہو رہا ہے، اس کے علاوہ ان کی زبان، قلم سے اور کہیں اس ارادہ کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ انگریزی اخبار تو وہ نہ نکال سکے البتہ ایک زمانے میں زمیندار کا ایک صفحہ انگریزی میں شائع ہوتا رہا۔

۲۶۔ گویا اب مالی حالات بہتر ہو گئے ہیں۔

۲۷۔ ظفر علی خان کی نئی گاڑی ان کے مخالفین کی طرف سے ان پر بدگمانیوں کا موجب بنی۔ ظفر الملک علوی نے کتاب الاشرار میں لکھا: "حیدر آباد کی درباداریوں مسخرگیوں اور مطرب ادائیوں

میں اور زندگی کی دیگر دلچسپیوں میں کافی وقت گزر جانے کے باوجود ظفر علی خان نے چند ہی سال میں تراجم کا ایک معقول ذخیرہ فراہم کردیا، اور یہ کوشش ان کی بہرطور قابل قدر تھی مگر ساتھ ہی ساتھ یہ جذبہء فطری بھی اپنے عمل سے غافل نہیں رہا جو اس محنت شاقہ کا محرک اصلی تھا یعنی روپیہ بٹورنے (جمع کرنے کے لیے نہیں بلکہ اسبابِ معیشت کے بآسانی و فراوانی مہیا کرنے کے واسطے) کی کوششیں بھی برابر جاری رہیں۔ خیابان فارس سے اس میں خاص امداد ملی کیونکہ کشور ہندوستان کے گورنر جنرل کی کتاب کوئی معمولی چیز نہ تھی، ہندوستان کی کوئی ریاست بلالحاظ قومیت و مذہب ایسی نہ تھی جس نے اس علمی خدمت کا اعتراف اس کی جلدوں کی کافی تعداد خرید کر کے نہ کیا ہو۔ یہی کتاب مترجم کو فرماں روائے ریاست بھوپال کے دربار تک لے گئی اور بارگاہِ سلطانی سے مالا مال لائی۔ دوسرے سال پھر حاضری ہوئی۔ اب کے ایک پرزور قصیدہ بھی پڑھا گیا جس کے صلے میں ولایت جاکرفن و بلاغت کی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر مبلغ دو ہزار روپیہ رئیسہ بھوپال نے عطا فرمائے، ولایت کا سفر تو اس وقت ایک جملہء معترضہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ اہل حیدرآباد نے دیکھا ہوگا کہ اس کے بعد ہی ان کی پرانی پالکی گاڑی نئی فٹن میں تبدیل ہوگئی۔ مگر ریاست بھوپال خوش قسمت تھی کہ اس چھاپے کے بعد پھر کبھی ظفر علی خان نے اودہر کا رخ نہیں کیا۔" (ص ۱۷۔۱۸)

۲۸۔ برکت بیگم کے بہنوئی، کھیتی باڑی کرتے تھے، سیالکوٹ سے ہیڈ مرالہ کی طرف معظم آباد نامی گاؤں میں رہتے تھے۔ مولانا ظفر علی خان شکار کے لیے اکثر ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء یا ۱۹۴۸ء میں تقسیم کے بعد لاہور میں مولانا ظفر علی خان کے گھر انتقال ہوا۔

۲۹۔ مولانا غلام رسول مہر

۳۰۔ منصور علی خان فرزند اکبر اختر علی خان

۳۱۔ منماڑا کا سفر ۱۹۳۸ء میں کیا گیا جیسا کہ منماڑ میں کہی گئی نظم سے جس پر ۲۲/جون ۱۹۳۸ء کی تاریخ درج ہے۔ دیکھیے: چمنستان ص ۱۸۵ اس پر ذیل کا نوٹ بھی درج ہے "بمبئی سے مالیگاؤں اور اٹولا اور منماڑ ہوتے ہوئے جب میں بہ قصدِ مراجعت پنجاب ریل پر سوار ہوا تو منماڑ کی طرف منہ کر کے اُسے ان الفاظ میں مخاطب کیا:

کہہ رہا ہے یہ ہر اک ذرہ خاک منماڑ
اے مسلمان اُٹھ اور پرچم دیں ہند میں گاڑ
میں نے مانا کہ بلاؤں نے ہے گھیرا تجھ کو
اور ترے سر پہ معلق ہیں مصیبت کے پہاڑ
دیکھتے دیکھتے افغان کی فطرت بدلی
کانگرس جا کے بنا آئی پٹھانوں کو کراڑ
صدقہء رحمتِ شاہِ دو سرا میں لیکن
آج بھی بند نہیں تجھ پہ عزیمت کے کواڑ
حیدرآباد دکن سے درہَ خیبر تک
شورِ تکبیر مچا اور درِ خیبر کو اُکھاڑ
اے کہ مرحب فگنی تیری روایات میں ہے

مسولینی کو مسل پاؤں میں، ہٹلر کو پچھاڑ
اے کہ توحید کا کس بل ہے ترے بازو میں
کشورِ دیں کو بسا کفر کی نگری کو اُجاڑ
دیکھ کر برہمن و شیخ کو میں کیوں نہ کہوں
ایک یہ ہے کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہے جسے تصویر بنا آتی ہے

منمارڑ۔۲۲۔جون ۱۹۳۸ء

۞......۞......۞